# نسب و القاب امام علیؑ رضا

مضمون نگار: مرضیہ محمد زادہ

مترجم: عباس اصغر شبریز

علی بن موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام شیعہ اثنا عشری فرقے کے آٹھویں امام ہیں۔

آپ کی کنیت بھی حضرت علی ابن ابیطالبؑ کی طرح ابو الحسن ہے۔امام رضاؑ کو ابو الحسن ثانی کہا جاتا ہے۔تاریخ میں یہ بھی ملتا ہے کہ آپ کی کنیت آپ کے والد ماجد حضرت امام موسی کاظمؑ نے رکھی تھی اور ان کی بھی کنیت ابوالحسن ہی تھی اس لئے امام موسی کاظمؑ کو ابوالحسن اوّل اور امام رضاؑ کو ابوالحسن ثانی کہا گیا تا کہ لوگ آپ دونوں حضرات کے درمیان فرق رکھ سکیں۔

آپ کے چند القاب اس طرح ہیں: رضا،صابر، زکی، ولی، وافی، سراج اللہ ،قرۃ المومنین، صدیق اور فاضل۔امام رضاؑ کے یہ وہ القاب ہیں جن سے آپ کی شخصیت، اہمیت اور فضلیت آشکار ہوجاتی ہے لیکن آپ کا مشہور ترین لقب رضا ہے اور آپ کا یہ لقب اتنا مشہور ہوا کہ آپ اسی لقب سے پہچانے جانے لگے۔

آپ کی انگشتری کے نقش حَسبیَ اللہ اور ماشاءَ اللہ وَلا قو ۃَ الاّ باللہ تھے۔

## ولادت و شہادت

آپ کی جائے ولادت مدینہ منورہ ، جائے شہادت طوس ہے اور عمر مبارک پچپن سال ہے۔آپ کی ولادت اور شہادت کے تعین میں اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف کم نہیں ہے بلکہ اقوال کے مطابق تو پانچ سال سے زیادہ کا فرق ہے۔یہ اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

آپ کی ولادت با سعادت مدینہ میں جمعرات یا جمعہ، ۱۱ رذی الحجہ، ۱۱ر ذیقعدہ و ۱ر ربیع الاوّل کو ۱۴۸ھ، ۱۵۱ھ، ۱۵۲ھ، ۱۵۳ھ ہجری کو ہوئی تھی۔

آپؑ کی شہادت جمعہ یا دوشنبہ، آخر ماہ صفر، ۱۷رصفر، ۲۱ررمضان المبارک، ۱۸رجمادی الاولیٰ، ۲۳رذیقعدہ یا اس کی آخری تاریخ کو ۲۰۲ھ، ۲۰۳ھ، ۲۰۶ ہجری کو واقع ہوئی تھی۔

شیخ صدوق نے ''عیون الاخبار'' میں تحریر فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ امام رضاؑ کی شہادت روز جمعہ ۲۱ / رمضان المبارک ۲۰۳ھ ہجری کو واقع ہوئی تھی اور آپؑ کی عمر شریف ۴۹ سال اور چھ ماہ تھی۔[۷] شیخ صدوق نے ایک دوسری جگہ پر نقل کیا ہے کہ امامؑ کی شہادت صفر ۲۰۳ھ ہجری میں ۵۲ یا ۵۵ برس کی عمر میں ہوئی تھی۔[۸]

شیخ مفید نے ''ارشاد'' میں، کلینی نے ''کافی'' میں اور مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں آپؑ کی شہادت ماہ صفر ۲۰۳ ہجری، ابن اثیر و طبرسی نے بھی آخر ماہ صفر[۹] اور حمد اللہ مستوفی نے ۷/شوال ۲۰۳ھ ہجری نقل کی ہے۔[۱۰]

ظن قوی شیخ مفید اور مرحوم کلینی کا قول ہے کیونکہ یہ وہی سال ہے جس میں مامون نے عراق کی طرف کوچ کیا تھا۔ یہ نظر بالکل غلط ہے کہ آپکی شہادت ۲۰۲ھ یا ۲۰۶ھ ہجری میں ہوئی تھی۔ امام رضاؑ ۲۰۲ھ/ہجری میں تو مرو میں ہی تھے اور بغداد میں مامون کا ورود ۲۰۴ھ/ہجری میں ہوا تھا اور یہ تو مسلّم ہے کہ امامؑ کی شہادت اس وقت ہوئی ہے جب مامون راہی سفر بغداد تھا۔

آپؑ کی ولادت باسعادت کے بارے میں بھی اکثر علما اور مورخین کی نظر ۱۱/ذیقعدہ ۱۴۸ھ ہجری ہے یعنی آپؑ اپنے جد بزرگوار امام جعفر صادق کی شہادت کے ۱۶/روز کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

روایت میں آیا ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا ہے:

''میں نے اپنے والد ماجد امام کاظم سے مکرر سنا ہے کہ آپؑ فرماتے تھے: اِنَّ عالمَ آلِ محمد لفی صُلبک وَ لَیتنی اَدرَکته فانّه سَمِیُّ امیر المومنین۔''[۱۱]

یعنی خاندان آل محمد کا عالم تمہارے صلب میں ہے۔ کاش میں اسے دیکھ پاتا اور اس کا دیدار کر پاتا۔ وہ امیر المومنین علیؑ کا ہمنام ہے۔

اکثر مورخین کے مطابق تاریخ شہادت امام رضاؑ ماہ صفر/۲۰۳ھ ہجری اور جائے شہادت طوس ہے۔

کتاب ''سنی الملوک الارض'' جس میں ۱۳۵۰ھ ہجری تک نوروز یعنی ۲۱/مارچ اور عربی مہینوں کے درمیان تطبیق پیش کی گئی ہے، اور ''تطبیق سنوات''، نوشتۂ محمد اکبر یوسفی کے مطابق ماہ صفر/۲۰۳ھ ہجری مقرون بہ ماہ شہریور ہے۔[۱۲]

مشہور یہ ہے کہ امام رضاؑ کی عمر مبارک ۵۵رسال ہے کہ جس میں سے ۲۵ربرس آپ نے اپنے والد ماجد کے ساتھ بسر کئے تھے اور بقیہ بیس برس امامت کی ذمہ داری آپؑ کے کاندھوں پر تھی۔ یہ بیس برس کا زمانہ وہ زمانہ ہے جو ہارون رشید کی خلافت کا آخری دور ہے نیز تین سال دورخلافت امین اور پھر تقریبا دو سال پر محیط جنگ اورخراسان و بغداد کے درمیان جدائی اور آخرکار خلافت مامون کا زمانہ ہے۔

## آپؑ کی والدہ ماجدہ

آپکی والدہ ماجدہ ام ولد ۱۳؎ تھیں۔البتہ انہیں ام ولد اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ امامؑ ان کے بطن سے متولد ہوئے تھے۔انکے نام میں بیحد اختلاف پایا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ حضرتؑ کی والدہ کا نام خیزران ۱۴؎ تھا۔بعض مورخین نے انکا نام اروی ۱۵؎ ذکر کیا ہے جنکا لقب شقراء نوبیہ تھا۔بعض مورخین کے مطابق انکا نام نجمہ تھا ۱۶؎ کہ جنکی کنیت امّ البنین ۱۷؎ تھی اور بعض نے سَکَن نَوبِیّۃ بھی کہا ہے۔ ساتھ ہی ایک گروہ نے امامؑ کی والدہ کا نام تُکْتَم ۱۸؎ ذکر کیا ہے۔اوران کا یہ نام اس وقت پڑا جب وہ امام موسی کاظمؑ کی زوجیت میں آگئیں تھیں۔ظاہراً اس گروہ نے اس سلسلے میں ان اشعار سے استناد کیا ہے جو امامؑ کی شان میں کہے گئے تھے:

الا اِنَّ خیر الناس نفساً و والداً
و رھطاً و اجداداً، عَلِی المظّم
اَتَتْنا به للعلم و الحلم ثامناً
اماماً یودی حُجة اللّٰه (تُکتَم) ۱۹؎

یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ بہترین انسان علی بزرگوار ہیں جنکے والد، اجداد اوراعزاء بھی بہترین ہیں۔تکتم سے ان کی ولادت ہوئی ہے کہ آپؑ علم وحلم میں آٹھویں امام ہیں اورلوگوں پر خدا وند تبارک وتعالی کی حجت ہیں۔

تکتم کی جائے ولادت کے بارے میں بھی اختلاف ہے اورشمالی افریقا کے باشندوں کے غالب احتمالات کی بنیاد پر مراکش یا سوڈان ان کی جائے ولادت ہے۔سرزمین مغرب میں تکتم کے وطن کے بارے میں دو احتمال پائے جاتے ہیں۔ان کے القاب میں دو لقب ’’سکن النوبیہ‘‘ اور ’’خیزران المرسیہ‘‘ ہیں جو دونوں ہی سرزمین مغرب میں دو جگہوں کے نام رہے ہیں۔ جغرافیائے

تاریخ تمدن اسلامی میں سر زمین مغرب کا اطلاق شمالی افریقہ پر ہوتا ہے۔اس جغرافیائی تقسیم بندی میں مصر کو ایک مستقل سرزمین شمار کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی لیبیا، ٹیونیشیا ،الجزائر اور آج کے مراکش کو بھی مغرب ہی کہا گیا ہے۔کتاب ''معجم البلدان'' کے مطابق مرسیہ، ساحل افریقہ کے نزدیک ایک آباد جگہ رہی ہے۔مؤلّف نے تحریر کیا ہے کہ مرسیہ سے بونہ تک تین دن کا راستہ ہے۔۲۰؎ احتمال یہ ہے کہ ''بونہ'' جس کی طرف مؤلّف نے اشارہ کیا ہے، بعد میں ''نوبہ'' ہوگیا ہو۔بہرحال نجمہ خاتون خواہ مرسیہ کی ہوں خواہ نوبہ ،سرزمین مغرب کی باشندہ تھیں جنہیں حمیدہ مصفاہ، والدۂ امام موسی کاظمؑ نے، جو خود مغرب یا اندلس کے معزز خانوادے سے تھیں، مدینے کے اس بازار سے خریدا تھا جس میں غلاموں اور کنیزوں کو بیچا جاتا تھا۔عقل، دین اور اپنی مالکہ حمیدہ خاتون کے احترام کی وجہ سے تکتم کا شمار بہترین خواتین میں کیا جاتا ہے۔تکتم ،جناب حمیدہ خاتون کے احترام اور ادب کی اس حد تک قائل تھیں کہ جب سے انکی مالکیت میں آئیں تھیں کبھی بھی انکے سامنے نہیں بیٹھیں۔اسی لئے جناب حمیدہ نے اپنے فرزند امام موسی کاظمؑ سے کہا تھا کہ بیٹا میں ابھی تک تکتم سے بہتر کنیز نہیں دیکھی ہے اور اس میں مجھے کوئی شک وتردید نہیں ہے کہ اگر اس سے نسل وجود میں آئی تو خداوند عالم اس نسل کو پاک و مطہر قرار دیگا۔جاؤ، میں نے اسے تمہیں بخشا۔اسکے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔

روایت میں آیا ہے کہ جناب حمیدہ نے عالم خواب میں رسول خداؐ کو دیکھا۔آنحضرتؐ نے جناب حمیدہ سے فرمایا: اے حمیدہ! نجمہ کو اپنے بیٹے موسی کاظمؑ کو دیدو۔ بہت جلد تمہارا بیٹا اسکے بطن سے صاحب اولاد ہوگا جو تمام افراد میں افضل ہوگا۔

جناب حمیدہ نے اس خواب کے بعد نجمہ کو اپنے بیٹے کے حوالے کر دیا اور اسکے بعد اماؑم کا عقد ان سے ہوگیا۔یہ پاکدامن خاتون نہایت عبادت گزار اور خداوندعالم کی بے انتہا اطاعت کرنے والی تھیں۔ساتھ ہی اپنے شوہر کی حد درجہ مطیع بھی تھیں۔جیسے ہی حضرت علی رضاؑ کی ولادت ہوئی ، اماؑم نے انکی والدہ کا نام طاہرہ رکھ دیا۔۲۱؎ جناب نجمہ کہتی ہیں: مجھے کبھی بھی اپنے بیٹے علیؑ کے حمل کے دوران سختی حمل کا احساس نہیں ہوا اور جب میں سونے لگتی تھی تو مجھے اپنے اندر تسبیح وتہلیل وتمجید خدا کی صداؤں کا احساس ہوتا تھا۔ولادت کے فوراً بعد میرے بیٹے نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا، سر کو آسمان کی سمت بلند کیا اور اسکے ہونٹ ہلنے لگے، جیسے کچھ کہہ رہا ہو۔میرے شوہر میرے پاس آئے اور فرمایا کہ اے نجمہ! خداوندعالم کی یہ کرامت تمہیں مبارک ہو۔

نومولود کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر امامؑ کو دیدیا۔آپؑ نے اپنے بیٹے کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ اس کے بعد آب فرات طلب کیا اور آب فرات کے کچھ قطرات بچے کے منھ میں ڈالے۔اس کے بعد نومولود کو میرے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس بچے کو لے لو۔ یہ زمین پر بقیۃ اللہ ہے۔ ۲۲

یہ روایت ایک دوسرے انداز سے بھی نقل ہوئی ہے:

شیخ کلینی نے ''اصول کافی'' میں اور شیخ صدوق نے'' عیون اخبار الرضا''میں تحریر کیا ہے: ہشام ابن احمر نے لکھا ہے: امام موسی کاظمؑ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تمہیں علم ہے کہ اہالیان مغرب سے کوئی مدینے آیا ہے؟میں نے عرض کیا کہ نہیں۔آپؑ نے فرمایا کہ ایک شخص آیا ہے۔آؤ چلیں۔ آپ سوار ہوئے اور پھر میں بھی سوار ہوگیا۔یہاں تک کہ ہم لوگ اس شخص کے پاس پہونچ گئے۔دیکھا کہ مدینے کے باشندوں میں سے ایک شخص ہے جسکے ساتھ غلاموں اور کنیزوں کا ایک تاجر تھا۔میں نے کہا کہ اپنے غلاموں اور کنیزوں کو دکھاؤ۔اس نے سات کنیزیں دکھائیں جن سب کے بارے میں امامؑ نے فرمایا کہ نہیں !یہ نہیں چاہیئے۔اس کے بعد فرمایا کہ اور دکھاؤ! اس نے کہا کہ اب میرے پاس ایک بیمار کنیز کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔امامؑ نے فرمایا کہ تمہیں اس کے دکھانے میں کیا نقصان ہے؟لیکن اس نے منع کردیا۔امامؑ بھی واپس آگئے۔اگلے دن مجھے بھیجا اور فرمایا کہ اس سے سوال کرنا کہ اس بیمار کنیز کی کیا قیمت ہے؟وہ جتنی بھی بتائے اس پر معاملہ کرلینا۔ میں اس کے نزدیک گیااور اس سے وہی سوال دہرایا۔اس نے کہا کہ اس سے کم قیمت نہیں لونگا۔میں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔اس طرح معاملہ طے ہوگیالیکن اس نے سوال کیا کہ کل جوشخص تمہارے ساتھ تھا وہ کون تھا؟ میں نے کہا کہ وہ خاندان بنی ہاشم سے ہے۔اس نے کہا کہ کون سے بنی ہاشم؟میں نے جواب دیا کہ اس سے زیادہ مجھے نہیں معلوم۔اس کے بعد اس نے کہا کہ میں اس کنیز کی داستان تمہیں سنانا چاہتا ہوں اور وہ اس طرح ہے۔میں اسے مغرب کے دورترین علاقے سے خریدا ہے۔اہل کتاب میں سے ایک عورت میرے پاس آئی اور کہا کہ یہ لڑکی تمہارے پاس کیا کر رہی ہے؟میں نے کہا کہ اسے اپنے لئے خریدا ہے۔اس عورت نے کہا کہ اس لڑکی کا تمہارے جیسے شخص کے پاس ہونا مناسب نہیں ہے۔یہ وہ لڑکی ہے جسکو روئے زمین کے افضل ترین مرد کے پاس ہونا چاہئے۔اس کے قرب کے کچھ ہی مدت کے بعد اس کے بطن سے ایک فرزند متولد ہوگا جسکی مانند مشرق ومغرب میں دوسرا کوئی

پیدا نہیں ہوا ہوگا۔ آخر کار میں اس لڑکی کو امامؑ کے پاس لے گیا۔ ابھی کچھ ہی زمانہ گزرا تھا کہ امام رضاؑ متولد ہو گئے۔ ۲۳

## ازواج امامؑ

امام کی زوجہ ام ولد تھیں جنکا نام سبیکہ نوبیہ تھا۔ بعض مورخین کے مطابق انکا نام خیزران تھا۔ روایت میں ہے کہ وہ خاندان ام المومنین ماریہ قبطیہ، والدۂ ابراہیم ابن رسول اللہؐ سے تھیں۔ ۲۴ آپ امام محمد تقیؑ کی والدہ تھیں۔ تذکرہ نویسوں نے انہیں عالمہ، فاضلہ، با تقوی اور اپنے زمانے کی زاہد ترین خاتون بتایا ہے۔

آپؑ کی ایک دوسری زوجہ، ام حبیبہ، دختر مامون عباسی تھیں کہ جن سے روز ولی عہدی امامؑ کا عقد ہوا تھا۔ ۲۵

## لقب ''رضا'' ۲۶

امام علی رضاؑ کا مشہور ترین لقب ''رضا'' ہے۔ کتاب ''عیون اخبار الرضا'' ۲۷ میں منقول ایک روایت کے مطابق حضرتؑ کا یہ لقب اس لئے پڑا کیونکہ ''رَضِیَ به المخالفونَ من اَعدائه کما رَضِیَبه به الموافقونَ مِنْ اَوْلِیائه و لم یَکُنْ ذٰلِکَ لاحدٍمن آبائه علیهم السلام فذلک سمّی مِنْ بینهم بالرِّضا۔۔''

یعنی امامؑ کی ولی عہدی سے آپؑ کے موافقین کے ساتھ ساتھ آپؑ کے مخالفین راضی تھے اور یہ وہ چیز ہے جو آپؑ کے اجداد میں سے کسی کے ساتھ واقع نہیں ہوئی تھی۔ یہی سبب ہے کہ یہ لقب صرف حضرتؑ کو ہی ملا۔ لیکن طبری کی روایت کی رو سے ۲۰۱ ہجری میں مامون نے حضرتؑ کو ''الرضّا مِن آل محمدؐ'' کہا تھا۔ شیخ صدوق ۲۸ نے بھی ایک دوسری روایت کی بنیاد پر اسی خیال کی تائید کی ہے۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اواخر عہد بنی امیہ میں مبلغین و حامیان بنی عباس عوام کو اس بات پر ابھارتے تھے کہ کسی بھی شخص کا نام لئے بغیر ''رضا من آل محمدؐ'' کی بیعت کریں۔ نیز یہ بھی کہتے تھے کہ چونکہ مامون بنی عباس سے تھا، بنی عباس مخالف حکومت آل علیؑ تھے، اور اس نے امام رضاؑ کو ولی عہدی کے لئے انتخاب کیا تھا اس لئے خواہ موافقین خواہ مخالفین، سبھی امامؑ کے ساتھ تھے اور یہی سبب

تھا کہ آپؑ ''رضا من آل محمدؐ'' کے مصداق قرار پائے نیز اسی لقب سے موسوم اور مشہور ہو گئے۔

بزنطی ۲۹ کے مطابق:''میں نے امام جوادؑ سے عرض کیا کہ آپکے مخالفین میں سے ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ مامون نے آپ کے والد ماجد کو لقب ''رضا'' اس لئے دیا تھا کیونکہ اس نے امامؑ کو ولی عہدی کیلئے منتخب کر لیا تھا۔امام جوادؑ نے فرمایا:قسم بذات خدا،غلط بیانی کرتے ہیں اور راہ حق سے منحرف ہو گئے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم نے میرے والد ماجدکو''رضا'' نام دیا تھا کیونکہ وہ آسمان میں پسندیدۂ خدااور زمین پر پسندیدۂ رسول خداؐ وائمہ معصومینؑ تھے۔میں نے عرض کی کہ کیا آپ کے اجداد ایسے نہیں تھے؟فرمایا کہ ہاں،وہ سب بھی پسندیدۂ خدا و رسولؐ و ائمہ معصومینؑ تھے لیکن فرق یہ ہے کہ امام رضاؑ کو انکے مخالفین نے بھی قبول کیا تھا اور ان سے راضی تھے جبکہ ایسا ان کے علاوہ ہمارے اجداد میں سے کسی اور کے ساتھ واقع نہیں ہوا ہے۔یہی سبب ہے کہ ان سب حضراتؑ میں سے یہ لقب ''رضا''صرف انہیں کو ملا۔''۳۰

مذکورہ واقعہ سے مراد یہ ہے کہ حکومت وقت بھی امامؑ سے راضی تھی ورنہ فرقۂ واقفہ اور بنی عباس کا ایک گروہ امامؑ سے راضی نہیں تھا۔

سلیمان بن حفص سے منقول ہے:''امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے فرزند کا نام رضا رکھا تھا۔امامؑ جب بھی اپنے بیٹے کومخاطب کیے بغیر انکا نام اپنی زبان پر جاری کرتے تھےتو کہتے تھے:کہدو کہ میرا بیٹا رضا میرے پاس آجائے یا فرماتے تھے:میں نے اپنے بیٹے رضاؑ سے ایسا کہا ہے۔اور جب براہ راست اپنے فرزند سے مخاطب ہوتے تھے تو''ابا الحسن''کے ساتھ خطاب فرماتے تھے۔۳۱

## فرزندان امامؑ

فرزندان امامؑ کی تعداد اور انکے اسماء میں بھی اختلاف ہے۔

سبط ابن جوزی نے'' تذکرۃ الخواص'' ۳۲ میں انکی تعداد پانچ بیان کی ہے جنکے اسماء یہ ہیں:محمد،حسن،جعفر،ابراہیم اور عائشہ۔کتاب''قرب الاسناد''میں بزنطی کے قول کے مطابق امامؑ کے دو فرزند تھے محمد وموسیٰ ۳۳ یا محمد و جعفر۔۳۴ محدث قمی نے امام جوادؑ کے علاوہ ایک دختر ،فاطمہ کا بھی ذکر کیا ہے۔۳۵

لیکن شیخ مفیدؒ کی رای یہ ہے کہ امام جوادؑ کے علاوہ امامؑ کا دوسرا کوئی فرزند نہیں تھا۔علامہ مجلسی،ابن شہر آشوب اور طبرسی بھی اسی کے قائل ہیں۔۳۶

محمد ابن عیسی سے منقول ہے: ''میں امام محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امامؑ نے چند موضوعات سے متعلق مجھ سے مناظرہ کیااور اس کے بعد فرمایا کہ اے ابا علی! شک و تردید کو خود سے دور کردو۔ میرے علاوہ میرے والد کا دوسرا کوئی فرزند نہیں ہے[۳۷] یعنی اگر گزشتہ ائمہؑ کی طرح میرے والد کے بھی متعدد فرزند ہوتے تو ممکن تھا کہ ان کے درمیان تعیین امام کے سلسلے میں کوئی شک پیدا ہوتا۔''

امام رضاؑ نے حنان بن سویز سے فرمایا تھا: ''میرا صرف ایک فرزند ہوگا لیکن خداوند عالم اس سے نہایت فراوان ذریت خلق کریگا۔''[۳۸]

بہرحال جو چیز محقق ہے وہ یہ ہے کہ امام رضاؑ کا امام جوادؑ کے علاوہ دوسرا کوئی فرزند نہیں تھااور جو کچھ اس کے خلاف کتب میں ملتا ہے وہ ثابت نہیں ہے۔

## دور امام کاظمؑ اور امام رضاؑ

امام رضاؑ کی پرورش و رشد اسلام کے افضل ترین عالی ترین خانوادے میں ہوئی تھی، اس گہوارۂ تربیت اسلامی میں اخلاق اسلامی نمو پاتا تھا، جہاں روز و شب تلاوت قرآن کریم ہوتی تھی، جس میں اعمال خیر انجام دئے جاتے تھے اور ایسی تعلیمات فراہم تھیں جو اہم ترین عوامل کے زمرے میں قرار پاتی تھیں تا کہ کوئی بھی شخص عشق، محبت، عادات و اطوار نیک اور رسومات پسندیدہ وغیرہ جیسے صفات پر چل کر رشد کر سکے۔ جس گھر میں امام رضاؑ نے پرورش پائی تھی وہ دنیائے اسلام کا عالی ترین گھر تھا کیونکہ یہ گھر مرکز تقویٰ وفضیلت تھا۔

امام رضاؑ نے اپنے بچپن اور جوانی کا زمانہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ بسر کیا تھا، وہ باپ جو اپنے عالی ترین فضائل کی بنیاد پر ساری دنیا میں مشہور ومعروف تھا کیونکہ تمام اعلی صفات، فضائل، عقل وخرد اور اخلاق حسنہ انکی ذات میں یکجا ہو گئے تھے۔ امام موسی کاظمؑ اپنے زمانے کے آگاہ ترین اور تمام علوم میں دانشمند ترین فرد تھے۔ شیخ طوسی فرماتے ہیں: 'امام موسی کاظمؑ کے فضائل سے متعلق بہت کچھ ملتا ہے۔ حضرتؑ اپنے زمانے میں امور شرع میں دانا ترین فرد تھے۔'[۳۹] امامؑ علمی نشستوں سے بہت دلچسپی رکھتے تھے اور آپؑ نے اپنی زندگی کو علوم اور فرہنگ و ثقافت اسلامی کی ترویج کیلئے وقف کر دیا تھا۔ آپؑ کے فرزند امام رضاؑ بھی آپ کے دروس میں شرکت فرماتے تھے۔

امام رضاؑ اپنے والد بزرگوار کی عبادتوں اور خدا ترسی کے عینی شاہد تھے۔ تمام راوی متفق

القول ہیں کہ اطاعت وعبادت خداوندعالم میں امام موسی کاظمؑ تمام افراد سے برتر تھے اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے عابد و زاہد تھے۔

امام رضاؑ نے اپنے والد بزرگوار سے زہد، صبر، مظلوموں کی امداد وغیرہ جیسے صفات سیکھے تھے اور انہیں اپنے دل کی گہرائیوں میں نقش کرلیا تھا۔امام رضاؑ کیلئے تمام اقسام کے عوامل معنوی و وسائل تربیت عالی فراہم تھے، لہٰذا آپؑ نے اس اسلامی کلچر وثقافت میں عیناً اپنے اجداد کی مانند پرورش ورشد پایا۔

اپنے والد کی شہادت کے بعد دینی رہبری اور مرجعیت عموم مسلمین کی ذمہ داری آپؑ کے دوش پر آگئی۔

## نصوص و دلائل امامت

شیخ صدوق کی ''عیون اخبار الرّضا''، شیخ مفید کی ''ارشاد''، شیخ طبرسی کی ''اعلام الوری''، شیخ طوسی کی ''الغیبہ''، مرحوم کلینی کی ''اصول کافی'' وغیرہ اور دیگر معتبر کتابوں میں امامت امام رضاؑ کے دلائل مرقوم ہیں۔وجود دلائل فراوان، اسی طرح شیعوں کے درمیان مقبولیت امام رضاؑ نیز حضرتؑ کی علمی و اخلاقی برتری آپؑ کی امامت کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔اگرچہ حیات امام موسی کاظمؑ کے آخری دور میں مسئلۂ امامت کافی پیچیدہ اور دشوار ہوگیا تھا لیکن اصحاب امام موسی کاظمؑ کی اکثریت نے جانشینی امام رضاؑ کو قبول کرلیا تھا۔

شہادت امام جعفر صادقؑ کے بعد آپؑ کی جانشینی سے متعلق جو اختلاف پیش آگیا تھا وہ اس بات کا سبب بنا کہ اس مرتبہ امام موسی کاظمؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کے اصحاب اس مسئلہ جانشینی میں مزید احتیاط برتیں اور حضرتؑ کی شہادت سے قبل ہی آپ کے جانشین اور امامؑ کی شناخت حاصل کرلیں۔شیخ مفید نے ایسے بارہ اصحاب کے اسماء کو ذکر کیا ہے جنہوں نے امامت امام رضاؑ اور آپؑ کے اپنے والد بزرگوار کا جانشین ہونے پر احادیث نقل کی ہیں۔ان افراد میں اہم ترین یہ ہیں: داؤد بن کثیر الرّقی، محمد بن اسحاق بن عمار، علی بن یقطین اور محمد بن سنان۔شیخ نے اس کے بعد روایات مذکورہ کو بالتفصیل ذکر کیا ہے:

''علی بن یقطین سے منقول ہے: حضرت موسی بن جعفرؑ نے فرمایا: یہ میرا فقیہ ترین اور عالم ترین فرزند ہے۔اس کے بعد حضرت امام رضاؑ کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا کہ میں نے اپنی کنیت انہیں دیدی ہے۔''[۲۰]

داؤد بن کثیر سے منقول ہے:''میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کی کہ آپ پر قربان ہوجاؤں! کاش مجھے آپ سے پہلے موت آجائے!لیکن اگر کوئی اتفاق پیش آجائے تو ہمارا امامؑ کون ہے؟فرمایا کہ میرا فرزند،موسیٰ۔خدا کی قسم! میں نے آپؑ کی شہادت کے بعد پلک جھپکنے کے برابر بھی امام جعفرؑ کی اس فرمائش میں کبھی شک نہیں کیا۔تیس سال کا وقفہ گزرنے کے بعدامام موسی کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوااور عرض کی کہ آپ پر قربان ہو جاؤں !اگر کوئی اتفاق پیش آجائے تو آپ کے بعد امامؑ کون ہے؟فرمایا کہ میرا بیٹا علیؑ۔حضرتؑ کی شہادت کے بعد،قسم بذات پروردگار!امام علی بن موسیٰؑ کی امامت کے بارے میں بھی کبھی شک نہیں کیا۔'' ۴۱

محمد بن اسحاق بن عمار سے نقل ہے:''میں نے امام موسی بن جعفرؑ سے عرض کیا کہ میری رہنمائی فرمایئے کہ آپ کے بعد دینی امور و مسائل میں کس کی طرف رجوع کروں؟فرمایا کہ میرے فرزند،علی کی طرف۔اس کے بعد فرمایا کہ میرے والد بزرگوار میرا ہاتھ تھام کر مجھے قبر رسولؐ پر لے گئے تھے اور فرمایا تھا کہ میرے بیٹے!خداوند عز و جل نے فرمایا ہے:انّی جاعل فی الارض خلیفة۴۲ یعنی میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔

چونکہ خداوندعالم کوئی وعدہ کرتا ہےتو اس کو پورا فرماتا ہے۔لہٰذا ایک لحظہ کے لئے بھی زمین حجت خدا سے خالی نہیں ہوگی۔'' ۴۳

داؤد بن زربی سے منقول ہے:''میں ایک رقم امام موسی بن جعفرؑ کی خدمت میں لیکر حاضر ہوا۔حضرتؑ نے ایک حصہ اٹھا لیا اور ایک حصہ چھوڑ دیا۔میں نے عرض کی کہ یابن رسولؐ اللہ !اس کو کیوں چھوڑ دیا؟فرمایا کہ ایک صاحب امرتم سے اسکا مطالبہ کرے گا۔ابھی حضرتؑ کی خبر شہادت سنی ہی تھی کہ آپؑ کے فرزند،ابوالحسن رضاؑ نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا اور اس باقیماندہ رقم کا مطالبہ کیا اور میں نے وہ رقم حضرتؑ کی خدمت میں حاضر کردی۔'' ۴۴

سلیمان بن حفص سے منقول ہے:''میں موسی بن جعفرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔قصد یہ تھا کہ حضرتؑ سے سوال کروں کہ آپ کے بعد امامؑ کون ہے؟ امامؑ نے مجھ پر نظر پڑتے ہی ابتدائے کلام کردی۔فرمایا کہ اے سلیمان!علیؑ ،میرا فرزند،میرا وصی اور میرے بعد لوگوں پر خدا کی حجت ہے، نیز وہ میرے فرزندوں میں سب سے افضل ہے۔اگرتم میرے بعد زندہ رہوتو شیعوں،اہل ولایت اور ان افراد کے درمیان جو میرے بعد ہونے والے امام کے بارے میں سوال کریں،میرے فرزند کی

امامت کی گواہی دینا۔''۵؎

عبد اللہ بن مرحوم سے منقول ہے:''میں بصرے سے مدینے کا قصد کر کے خارج ہوا۔ابھی تھوڑا ہی سفر طے کیا تھا کہ امام موسی بن جعفرؑ سے ملاقات ہوئی۔آپؑ عازم شہر بصرہ تھے۔امامؑ نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا۔جیسے ہی میں حاضر ہوا، مجھے ایک نوشتہ دیااور اس نوشتہ کو مدینے پہونچانے کیلئے فرمایا۔میں نے عرض کی کہ مدینے میں کس کو دوں؟فرمایا کہ میرے فرزند،علیؑ کو۔ وہ میرا جانشین اور وصی ہے اور اور تمام فرزندوں میں سب سے افضل ہے۔''۶؎

شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں:''داؤد رقی،محمد بن اسحاق بن عمار،علی بن یقطین،نعیم بن قابوس، حسین مختار، زیاد مروان،مخزومی داؤد بن سلیمان،نصر بن قابوس،داؤد زربی، یزید بن سلیط اور محمد بن سنان جیسے معتمد،مخصوص اور متقی دانشمندوں نے اعتراف کیا ہے کہ اپنے بعد امامت حضرت علی بن موسیٰؑ سے متعلق آپؑ کے والد بزرگوار نے تصریح فرما دی تھی۔''۷؎

داؤد رقی سے منقول ہے:''میں نے حضرت موسیٰ بن جعفرؑ سے عرض کیا کہ آپ کے بعد ہمارا امامؑ کون ہے؟ حضرتؑ نے اپنے فرزند کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ میرے بعد تمہارا امامؑ یہ ہے۔''۸؎

حسین بن نعیم صحاف سے منقول ہے:''ہم لوگ،ہشام بن حکم اور علی بن یقطین بغداد میں تھے۔علی بن یقطین نے کہا:میں حضرت موسی بن جعفرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ آپؑ نے فرمایا:میرا فرزند،علیؑ میرے تمام فرزندوں میں سب سے افضل ہے اور میں نے اپنی کنیت انہیں کو دی ہے۔''۹؎

نعیم بن قابوس نے حضرت موسی بن جعفرؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:''میرا فرزند،علیؑ میرے تمام فرزندوں میں بہترین اور ان میں سب سے افضل ہے۔میں انہیں اپنے دوسرے تمام فرزندوں سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اور وہ میرے ساتھ امور جفری اوران تمام مسائل میں شرکت کرتے ہیں جن مسائل میں کسی پیغمبرؑ یا اس کے وصی کے علاوہ کسی کو دخل اندازی کا حق نہیں ہے۔''۱۰؎

زیاد عبدی سے منقول ہے:''میں حضرت ابو ابراہیم موسی بن جعفرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپؑ کے فرزند بزرگوار،ابو الحسنؑ بھی آپ کے ساتھ موجود تھے۔امامؑ نے فرمایا:یہ میرے فرزند،

علیؑ ہیں۔ان کا نوشتہ میرا نوشتہ اور ان کا فرمان میرا فرمان ہے،ان کا نمائندہ میرا نمائندہ اور جو کچھ یہ فرمائیں وہی حق ہے۔"۵۱

مخزومی جنکی والدہ فرزندان جناب جعفر طیار سے منقول ہے:"ایک روز حضرت موسی بن جعفرؑ نے ہمیں اپنی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا اور فرمایا: گواہ رہنا کہ یہ میرے فرزند، علیؑ میرے وصی ہیں،یہی میرے امور پر نظارت کریں گے اور یہی میرے جانشین ہونگے۔جس کسی کو بھی مجھ سے کسی شئ کا مطالبہ کرنا ہو وہ ان سے رجوع کرے،اگر میں نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو اور وعدہ وفا کرنے کا وقت نہ پہونچا ہو تو اس وعدہ کو یہی وفا کریں گے نیز اگر کسی کو مجھ سے ملاقات کرنا ہو تو اس کے لئے انکا نوشتہ ضروری ہے۔"۵۲

یزید بن سلیط نے مندرجہ ذیل طویل حدیث میں حضرت ابو ابراہیم موسی بن جعفرؑ سے نقل کیا ہے:"جس سال حضرتؑ کی شہادت ہوئی تھی،آپؑ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اس برس میں اس دارفانی سے رخصت ہو جاؤنگا۔امر خلافت میرے فرزند علیؑ سے متعلق ہے جو دو علیؑ کے ہمنام ہیں (علی بن ابی طالبؑ اور علی بن الحسین علیہما السلام)۔علی بن ابی طالبؑ سے فہم،علم، بصیرت، بردباری، نصرت بہ دین خدا،دوستی اولیائے خدا،تقویٰ اور انکا دین ورثہ میں ملا ہے جبکہ علی بن حسینؑ سے محنت اور اس بے وفا دنیا کی مصیبتوں پر صبر۔"۵۳

ابن سنان نے مندرجہ ذیل طولانی حدیث میں امام موسی بن جعفرؑ سے نقل کیا ہے:"ایک سال اس سے قبل کہ حضرتؑ عراق کیلئے عازم سفر ہوتے ،میں انکی خدمت میں حاضر ہوا۔آپؑ کے فرزند،علیؑ بھی آپؑ کے برابر ہی تشریف فرما تھے۔حضرتؑ نے فرمایا کہ اگر کسی نے میرے فرزند،علیؑ کا حق ادا نہیں کیا اور میرے بعد انکی امامت کا انکار کر دیا تو وہ اس شخص کی مانند ہے کہ جس نے علی بن ابی طالبؑ پر ظلم کیا ہو اور بعد رسولؐ ان کے حق کو پامال کیا ہو۔میں نے عرض کی کہ قسم بخدا! اگر خداوند عالم نے مجھے اتنی عمر عطا کی تو میں ان کے حق کے سامنے تسلیم ہو جاؤنگا اور ان کی امامت کا اقرار کروں گا۔فرمایا: صحیح کہتے ہو۔خداوند عالم تمہیں اتنی طویل عمر دیگا کہ ان کے حق کو ادا کر سکو اور ان کی اور ان کی اولاد کی امامت کا اقرار کر سکو۔میں نے عرض کی کہ ان کے بعد امامؑ کون ہوگا؟فرمایا کہ ان کے فرزند، محمدؑ۔میں نے عرض کیا کہ ان کے فرامین و احکام کے سامنے بھی تسلیم و راضی ہوں۔"۵۴

مفضل بن عمر سے منقول ہے:'' حضرت موسی بن جعفرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔امامؑ کے فرزند، علیؑ بھی تشریف فرما تھے۔امامؑ اپنے فرزند کے بوسے لے رہے تھے،انکی زبان کو چوس رہے تھے، انہیں اپنے شانے پر بٹھا رہے تھے،اپنے سینے سے لگا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوجائیں! تمہاری خوشبو کس قدر عمدہ ہے ،تمہاری خلقت کس قدر پاک و مطہر ہے اور تمہارا افضل کتنا ظاہر ہے!

میں نے عرض کیا کہ آپ پر قربان جاؤں! میرے دل میں بھی اس بچے کی ایسی محبت گھر کر گئی ہے کہ اس سے قبل آپ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ ایسا نہیں ہوا ہے۔فرمایا کہ اے مفضل! میرے لئے علیؑ کی وہی منزلت ہے جو میری منزلت میرے والد بزرگوار کیلئے تھی۔ہم ایک ایسی ذریت ہیں جو ایک دوسرے سے ہیں اور خداوند عالم اس امر سے متعلق عالم و دانا ہے۔''

مفضل کہتے ہیں:'' میں نے عرض کیا کہ کیا آپ کے بعد یہی صاحب امر ہیں؟ فرمایا کہ ہاں! جو ان کی اطاعت کرے گا وہ نجات پا جائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ کافر ہو جائیگا۔''۵۵

## وصیت امام موسی کاظمؑ

یزید بن سلیط کہتے ہیں:'' جس وقت امام موسی بن جعفرؑ وصیت فرما رہے تھے ،آپؑ نے دس افراد کو گواہ بنایا تھا: ابراہیم بن محمد جعفری ،اسحاق بن جعفر بن محمد ،جعفر بن صالح ،معاویہ جعفری، یحییٰ بن حسین بن زید بن علی ،سعد بن عمران انصاری ،محمد بن حارث انصاری ،یزید بن سلیط انصاری ،محمد بن جعفر بن سعد اسلمی کہ جو وصیت نامہ اول کے محرر تھے۔ ان تمام حضرات کو گواہ بناتے ہوئے امامؑ نے گواہی دی: خدائے یگانہ و بے نیاز کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں ہے،محمدؐ بندہ و رسولؐ خدا ہیں ،قیامت برحق ہے،خداوند عالم مردوں کو زندہ کرے گا ، زندگی بعد ازموت حق ہے،وعدۂ خدا حق ہے،حساب وقصاص حق ہے ،داوری خدا حق ہے،روز قیامت خدا کے حضور میں حاضر ہونا حق ہے ،جو کچھ حضرت محمدؐ لوگوں کیلئے لیکر آئے تھے وہ حق ہے اور جو کچھ روح الامین نے نازل کیا ہے وہ حق ہے۔

میں نے اس عقیدے پر اپنی زندگی بسر کی ہے ،ان اعتقادات کے ساتھ دنیا سے جارہا ہوں اور اسی عقیدے پر بعد ازموت زندہ ہوؤں گا۔میں اِن اشخاص کو گواہ بنا رہا ہوں کہ یہ وصیت نامہ خود میرے ہاتھ کا تحریر شدہ ہے جسے میں نے اپنے جد امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ ،محمد بن علی

امام باقرؑ کے وصیت ناموں سے حرف بحرف استنساخ کیا ہے اور وصیت جعفر بن محمد امام صادقؑ بھی اسی طرح ہے۔ میں اپنے فرزند علیؑ کو وصیت کرتا ہوں اور اپنے دوسرے فرزندوں کو ان کے سپرد کرتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ علیؑ خود بھی ایسا چاہتے ہوں اور انہیں اس لائق سمجھیں اور انہیں استحکام بخشنا چاہیں۔ اور اگر ان سے راضی نہ ہوں اور ان کے مطالبات کو ٹھکرا دیں تب بھی مختار ہیں۔ وہ سب علیؑ کے مقابل کسی اختیار کے حامل نہیں ہیں۔

میں نے انہیں اور اپنے فرزندوں، ابراہیم، عباس، قاسم، اسماعیل اور احمد کو اپنی وقف کردہ اشیاء، اموال، غلاموں اور بچوں کے متعلق بھی وصیت کی ہے، نیز ام احمد ۵۶ کو بھی۔ میرے ازواج کے متعلق صرف علیؑ میرے وصی ہیں، اس مسئلے میں دوسروں کا دخل نہیں ہے۔ میرے والد بزرگوار اور میرے اوقاف کے ایک تہائی حصے کی تولیت صرف اور صرف انہیں کے پاس ہوگی، وہ جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ اس سلسلے میں انہیں وہی حق ہوگا جو صاحب مال کو اپنے مال سے متعلق ہوتا ہے، چاہیں تو بیچ دیں، یا بخش دیں یا اپنی اصلی حالت پر باقی رہنے دیں یا جن افراد کے میں نے نام ذکر کیے ہیں انکو یا جن کے نام ذکر نہیں کیے ہیں انکو صدقہ دے دیں، مکمل اختیار ان کے پاس ہے۔

اس وصیت میں میرے اموال، خانوادے اور بچوں کی نسبت انکی منزلت وہی ہے جو میری ہے۔ اگر وہ چاہیں تو اپنے ان بھائیوں کو جن کے نام میں اس نوشتہ میں ذکر کیے ہیں، موجودہ حالت میں باقی رکھیں ورنہ انہیں الگ کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں کسی کو بھی حق اعتراض نہیں ہوگا۔ اگر ان میں سے کوئی اپنی کسی بہن کا کسی سے عقد کرنا چاہے تو علیؑ کی اجازت اور رضایت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی بھی فرد، طاقت یا قدرت انہیں ان اختیارات سے جنہیں میں نے یہاں ذکر کیا ہے، جدا کرنا چاہے تو اس فعل کے ذریعے وہ خدا اور اسکے رسولؐ سے دور ہو جائے گی اور خدا اور رسولؐ بھی اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھیں گے۔ ایسے کسی بھی شخص پر خداوند عالم کا غضب ولعنت ہو، نیز تمام لعنت کرنے والوں، ملائکہ مقربین، پیغمبران، مرسلین اور تمام مومنین کی بھی لعنت ہو!

سلاطین میں سے کسی کو بھی حق نہیں ہے کہ انہیں کسی کام سے روکیں۔ میرا بھی ان سے کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ میرے کسی بھی فرزند کا کسی بھی قسم کا کوئی مال ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کہیں وہی صحیح ہے۔ اگر کسی چیز میں کم کریں تب بھی وہی صحیح ہیں اور اگر زیادہ کریں تب بھی وہی سچے ہیں۔ اپنے تمام فرزندوں کے اسماء ذکر کرنے کا سبب صرف یہ تھا کہ ان سب کا اور میری چھوٹی اولاد

کا نام یہاں احترام کے ساتھ ذکر ہو اور انہیں پہچان لیا جائے۔میری وہ ازواج جو ام ولد ہیں یعنی جن سے میری اولاد ہے،ان میں سے ہر وہ جو اس گھر میں رہے گی، اس کے وہ سارے حقوق باقی رہیں گے جو میرے زمانے میں تھے،اس شرط کے ساتھ کہ علیؑ بھی ایسا چاہتے ہوں ۔اور اگر ان میں کسی نے عقد کرلیا تو وہ اس گھر میں واپس نہیں آ سکتی اور اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کرسکتی مگر یہ کہ علیؑ اپنی صوابدید پر اس کے حقوق کو واپس کرنے پر تیار ہو جائیں ۔میری بیٹیاں بھی اسی طرح ہیں،علیؑ کے مشورے اور رائے کے بغیر میری بیٹیوں کا عقد نہ ان کا کوئی ماموں کرسکتا ہے،نہ کوئی سلطان اور نہ ان کا کوئی عمو۔اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ خدا اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرے گا اور سلطنت خدائی سے جنگ کرے گا۔علیؑ اپنے اعزاء میں سے کسی سے ازدواج کرنے کے بارے میں خود علم رکھتے ہیں، چاہیں تو ان میں سے کسی کے ساتھ ازدواج کریں، چاہیں تو نہ کریں۔میں نے جو کچھ اس نوشتہ میں ذکر کیا ہے اس کے متعلق ان سب کو وصیت کردی ہے، خدا کو ان سب پر گواہ بناتا ہوں اور علیؑ و ام احمد بھی گواہ ہیں۔میری اس وصیت میں جو کچھ ذکر ہوا ہے اور نام لیے گئے ہیں ،اس کے خلاف کوئی ایک حرف بھی بیان نہیں کرسکتا۔ یہ وصیت اسی طرح ہے جس طرح میں نے تمہارے لئے بیان کی ہے۔جو بھی برا کرے گا اپنے ضرر میں کرے گا اور جو بھی نیکی کرے گا وہ اپنے نفع میں کرے گا۔ تمہارا پروردگار اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے۔درود خدا و محمد مصطفیؐ اور انکی آلؑ پاک پر۔کسی بھی سلطان یا کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ اس وصیت نامے کو جس کے آخر میں میں نے مہر لگائی ہے، پارہ کرے۔اگر کسی شخص نے ایسا کیا تو اس پر خداوند عالم کا غضب و لعنت ہو، نیز تمام لعنت کرنے والوں ،ملائکۂ مقربین ،تمام پیغمبران اور تمام مومنین کی بھی لعنت ہو! صرف علیؑ کو یہ حق حاصل ہے کہ میرے وصیت نامے کو کھولیں۔

اس کے بعد دستخط کئے اور مہر لگادی۔۵۷

وصیت امام موسی کاظمؑ میں موضوع اصلی مسئلہ ٔولایت اور سرپرستی ہے۔ بحث ولایت، بحث وصایت سے اہم بحث ہے۔اس وصیت نامے میں ولایت کی جامع ترین انداز میں وضاحت کی گئی ہے اور امامؑ کا ان حساس شرائط میں تعداد فرزندان اور ان کے خصوصی مسائل ازقبیل فقر مالی، حسادت و مخالفت با حکومت وقت وغیرہ جیسے امور پر بحث کے ساتھ ،ساتھ اصل مدعا ، بحث ولایت ہے ۔

عبد اللہ بن محمد جعفری کہتے ہیں: ”امام رضاؑ کے بھائی ،عباس بن موسی نے ابن عمران قاضی

سے کہا کہ اس نامے کے اندر ہمارے لئے گنج و جواہر ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان سب کو اپنے قبضے میں کرلیں اور ہمارے لئے کچھ نہ چھوڑیں۔ہمارے والد نے جو کچھ ورثے میں چھوڑا ہے وہ سب انھوں نے لے لیا ہے اور ہم لوگوں کو فقر و تنگدستی میں چھوڑ دیا ہے۔اس موقع پر ابراہیم بن محمد جعفری نے، جو امام موسی کاظمؑ کی وصیت کے گواہ تھے، غصے کی حالت میں انہیں برا۔بھلا کہا۔اسی طرح ان کے چچا، اسحاق بن موسی (کہ وہ بھی ایک گواہ تھے) بھی اسی طرح پیش آئے۔

عباس نے قاضی سے کہا: خدا آپ کو توفیق دے! مہر کو توڑیئے اور مضمون وصیت نامے کو پڑھیئے۔قاضی نے کہا کہ میں مہر کو نہیں توڑ سکتا۔میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا کہ تمہارے والد کے غضب کا شکار ہو جاؤں۔عباس نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں خود ہی یہ کام کروں گا۔قاضی نے کہا کہ تم جانو۔عباس نے مہر کو کھولا تو دیکھا کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے ان سب کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام اختیارات امام رضاؑ کو دے دیئے ہیں اور ان سب کو چاہیں یا نہ چاہیں، امام رضاؑ کی ولایت و سرپرستی میں قرار دے دیا ہے یعنی وہ سب کے سب یتیموں کی طرح امام رضاؑ کی سرپرستی و ولایت کے تحت قرار دئے گئے تھے اور امام موسی کاظمؑ نے ان سب کو وصیت سے خارج کر دیا تھا۔اس کے بعد امام رضاؑ نے عباس کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائی! مجھے معلوم ہے کہ اپنے قرضوں اور مالی نقصانات کے سبب تم نے یہ سب باتیں کی ہیں۔پھر سعد سے فرمایا کہ دیکھو! ان پر کتنا قرض ہے اور اس کو ادا کر کے ادائیگی قرض کی رسید لے آؤ۔

قسم بخدا! جب تک زندہ ہوں تم لوگوں کی امداد، حمایت، ہمدلی اور غمخواری میں کوئی کمی نہیں آنے دونگا۔اس کے بعد بھی اگر تمہارا دل چاہے تو جو دل میں آئے وہ کہو۔عباس نے کہا کہ آپ جو میرا یہ قرض ادا کر رہے ہیں یہ تو ہمارے اس پیسے سے ہے جو اضافی ہے، ورنہ ہمارا مال تو اس سے کہیں زیادہ ہے۔حضرتؑ نے کہا کہ جو دل میں آئے کہتے رہو، میری عزت تمہاری عزت ہے۔

خدایا! انکی اصلاح فرما! شیطان کو ہم سے اور ان سے دور فرما! اور اپنی اطاعت و بندگی پر سب کی مدد فرما! خدایا! ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں تو اس پر شاہد ہے۔

عباس نے کہا کہ میں آپ کی باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔اس کے بعد سب لوگ متفرق ہو گئے۔"[58]

اگر تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ جتنا برا رویہّ امام رضاؑ کے بھائیوں نے

آپؑ کے ساتھ روا رکھا تھا اتنا کسی امامؑ کے ساتھ نہیں رکھا گیا۔ یہاں تک کہ آپؑ کو عدالت کا دروازہ بھی نہیں کھٹکھٹانے دیا گیا کہ آپؑ کم ازکم اپنے دلائل ہی پیش کر دیتے۔ امامؑ کے بھائیوں نے حکومت وقت کی غلامی کرنے کے ساتھ ساتھ ہر وہ کام کیا جس سے آبروئے امام رضاؑ پر حرف آسکتا تھا۔ ویسے ان سب کے پس پشت کچھ نہ کچھ عوامل ضرور تھے۔ جیسا کہ امام رضاؑ نے بھی فرمایا تھا کہ فقر وتنگدستی اس بات کا سبب بنی تھی کہ امام رضاؑ نے اپنے تمام بھائیوں کے قرضوں کی ادائیگی کی تھی۔ دوسرے یہ کہ امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد الگ۔ الگ ازواج سے تھیں اور یہ ازواج بھی الگ۔ الگ قبیلوں سے تھیں، یہ تو واضح ہی ہے کہ عربوں میں قبائلی تعصّبات بہت پائے جاتے تھے۔ علاوہ برایں، تعداد فرزندان بذات خود ایک مسئلہ ہے، سب کی فکر ونظر یکساں نہیں ہوتی ہے۔ ایک اور مسئلہ، اس زمانے میں اٹھنے والی شورشوں کا ہے۔ امام رضاؑ کا نظریہ یہ تھا کہ یہ زمانہ فکری وفرہنگی جنگ کا ہے اور موجودہ شرائط کا تقاضا یہ ہے کہ فلسفۂ یونان وغیرہ جو جہاں دائرہ اسلام میں وارد ہو گئے، کے مقابلے میں اسلام کو حفظ کیا جائے لیکن اس کے باوجود امامؑ کے بعض بھائی مثلاً ''زین النارّ'' مسلحانہ قیام کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

## وکالت

''وکالت'' وہ اہم ترین عامل تھا جس کی وجہ سے شیعۂ امامیہ کے سیاسی۔ اجتماعی سسٹم کو بقا مل گئی تھی۔ عباسیوں کے زمانے میں بحرانی شرائط کے سبب ائمہؑ شیعہ کے لئے اس کے علاوہ دوسرا کوئی چارا نہیں تھا کہ اپنے شیعوں سے روابط کیلئے جدید وسائل کا رخ کریں۔ لہذا ائمہؑ شیعہ تاسیس ''وکالت'' کے ذریعے نہایت ہوشیاری کیساتھ اپنے شیعوں کی فعالیتوں پر نظارت اور ان کی ہدایت فرمارہے تھے۔

شعبۂ وکالت کی تاسیس اور فعالیت کے آغاز میں اسکے اہمت ترین وکیل، عبد الرحمٰن بن حجاج تھے جن کو امام صادقؑ نے بغداد میں متعین کیا تھا اور یہ اپنی وفات یعنی زمانۂ امام رضاؑ تک اس خطیر ذمہ داری کو انجام دیتے رہے تھے۔ ۵۹؎

معلیٰ بن خنیس بھی مدینے میں امام جعفر صادقؑ کے وکیل تھے جنہیں شیعہ مبلغین کے اسماء کی فہرست فراہم نہ کرنے کی پاداش میں عباسیوں نے قتل کر دیا تھا۔ ۶۰؎

اپنے آغاز میں متعدد مشکلات کا سامنا کرنے کے باوجود شعبۂ وکالت، وکلاء کے زیرنظر

علاقوں اور انکے کسی حد تک محدود اقتدار کی وجہ سے امام موسیٰ کاظمؑ کے زمانے میں اپنی فعالیت میں وسعت و گیرائی کی وجہ سے گسترش پاتا جا رہا تھا۔امام موسیٰ کاظمؑ کے مصر[۶۱]، بغداد [۶۲] اور اسی طرح مدینے [۶۳] میں بہت سے وکلاء تھے۔۱۷۹ ہجری میں ان وکلا کو ہارون رشید کی جانب سے گرفتاریوں کا سامنا کرنا پڑا جسکی وجہ سے اس شعبۂ وکالت کو کافی ضرر ونقصان برداشت کرنا پڑا۔ وکیل بغداد،محمد بن ابی عمیر کو قید کر لیا گیا اور اذیتیں دی گئیں۔اس کے باوجود بھی جب انھوں نے امام موسیٰ کاظمؑ کے پیروؤں کے اسماء اور اقامت گاہوں کے پتے کو بتانے سے انکار کیا تو انہیں ان کی خواہر کے ساتھ چار برس کیلئے قید کی سزا سنا دی گئی۔ [۶۴]

اسی طرح امام موسیٰ کاظمؑ کے ایک دوسرے وکیل،علی بن یقطین جو ایک شخص بنام اسماعیل بن سلام کے ذریعے امامؑ تک رقوم شرعیہ پہونچاتے تھے،کو بھی قید کر لیا گیا تھا اور قید خانے میں ہی انہوں نے اپنی بقیہ زندگی گزار دی تھی۔ [۶۵]

بہر حال شعبۂ وکالت وسعت پاتا رہا۔ان وکلاء میں سے عزیز بن مہتدی قم میں [۶۶] اور صفوان بن یحییٰ کوفے میں [۶۷] امام رضاؑ کے وکیل تھے۔

امام رضاؑ کے بعد بھی دیگر ائمہ شیعہ کے اپنے متعین کردہ وکلاء تھے جنکی وجہ سے شعبۂ وکالت دھیرے دھیرے وسعت پاتا رہا۔

## شخصیت و صفات امامؑ

ائمہؑ اطہار کی زندگی و شخصیت میں دو اہم ترین پہلو پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متمائز ہونے کے ساتھ ساتھ آپس میں مرتبط بھی ہیں۔

اوّل۔ان حضراتؑ کی عملی،علمی،اخلاقی اجتماعی شخصیت جس کا اس زمانے میں موجود تمام افراد نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے نیز اسکے فہم وادراک کیلئے کسی مخصوص اعتقادی و مذہبی پس منظر کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر فہیم،باشعور اور منصف انسان ان صفات و امتیازات کو درک کر سکتا ہے۔

دوم۔ان حضراتؑ کی معنوی و الٰہی شخصیت جس کی وجہ سے یہ خداوندعالم کی خصوصی عنایات کے حامل ہیں۔حضرات اہلبیتؑ کی شخصیت کے اس پہلو کی شناخت کیلئے ایک دوسری معرفت کی بھی ضرورت ہے یعنی اوّلاً رسالت پیغمبرؐ پر ایمان ہونا چاہیئے اور پھر آنحضرتؐ کی رہنمائی اور فرمائشات کی روشنی میں ولایت عترت ائمہؑ کو قبول کیا جائے۔اس کے بعد عترت کے مقام ومنزلت

کی شناخت کیلئے روایات اور معتبر راویوں کی طرف رجوع کیا جائے ۔مختصر یہ کہ مختلف مذہبی نظریات، اہلبیتؑ کی شخصیت کے اس پہلو کی شناخت میں مانع ہوسکتے ہیں۔

امام علی رضاؑ کا معنوی وملکوتی مقام علمی، زہد و اخلاق نیز شیعوں کا آپؑ پر اعتقاد سبب بنا کہ نہ صرف مدینے بلکہ ساری اسلامی دنیا میں آپؑ خانوادۂ رسول اکرمؐ کی بزرگترین ومحبوب ترین شخصیت کے عنوان سے عوام وخواص کے درمیان مقبول واقع ہوں ،مسلمان آپؑ کو بزرکترین پیشوائے دین کے طور پر پہچانیں اور آپؑ کا نام صلوات وتقدس کے ساتھ لیں۔آپؑ کا بے کراں علم اور آپؑ کی پیغمبرؐ جیسی سیرت ،آپکا حلم، رأفت اور احسانات عام وخواص سبھی کیلئے تھے،آپؑ اپنے قول یا فعل سے کبھی بھی کسی بھی فرد کو آزار نہیں پہونچاتے تھے، جب تک فرد مقابل کی بات تمام نہیں ہوجاتی تھی اس کے کلام کو قطع نہیں کرتے تھے، مہمانوں کے سامنے کبھی ٹیک نہیں لگاتے تھے اور اپنے پیر دراز نہیں کرتے تھے،کبھی بھی غلاموں اور خدمت گذاروں کو برا۔بھلا نہیں کہتے تھے ،ان کے ساتھ بیٹھتے تھے اور کھانا کھاتے تھے، رات میں کم سوتے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے، رات کے سناٹے میں مدینے کی گلی، کوچوں میں حاجتمندوں کی امداد فرماتے تھے،گرمیوں میں چٹائی پر اور سردیوں میں اونی دری پر زندگی بسر کرتے تھے۔ صفائی کا ہر حال میں خیال رکھتے تھے،عطر و خوشبو کا بہت استعمال فرماتے تھے۔ عادتاً سستا اور موٹا لباس پہنتے تھے لیکن مہمانی یا کسی ملاقات کے موقع پر لباس فاخر زیب تن فرماتے تھے،کھانا بہت کم کھاتے تھے نیز آپ کا دسترخوان مختلف النوع غذاؤں سے سجا ہوا نہیں ہوتا تھا، جب بھی فرصت ملتی تھی مسلمانوں کو انکے وظائف سے آگاہ فرماتے رہتے تھے اور مامون اور اس کے پیروکاروں کی سازشوں کو ناکام کرنے کیلئے نہایت باریک بینی و ہوشیاری کا ثبوت دیتے تھے۔

مجموعی طور پر آپؑ کی شخصیت یگانۂ روزگار تھی اور آپؑ امتیازی خصوصیات و صفات کے حامل تھے۔

امامؑ کیلئے ضروری ہے کہ تمام افراد سے داناتر اور لوگوں کی ضرورتوں اور انکی فکری،روحی و دیگر ضرورت ہائے زندگی سے متعلق آگاہ تر ہو، نیز دوسرے تمام افراد سے عابدتر، پارسا تر اور صفات کریمہ و اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو۔ مجموعی طور پر زندگی کے تمام عناصر، امتیازات،صفات حسنہ اور اخلاق میں پیش ۔پیش ہوتا کہ رہبری و پیشوائی اس کے اندر محقق ہو سکے۔

اسی بنیاد پر امام علی رضاؑ کے اندر یہ تمام صفات و امتیازات موجود تھے ۔اب ہم تاریخ میں جو کچھ آپؑ کی سیرت و روش کے بارے میں موجود ہے اور جو دانشمندوں اور خلفائے زمانہ کی آپؑ کے بارے میں رای ہے،اس کے مطابق آپؑ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کریں گے۔

امین و مامون کے درمیان روابط کی تلخیوں کی وجہ سے امامؑ کو یہ موقع فراہم ہو گیا تھا کہ آپؑ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرسکیں اور اپنی کوششوں اور فعالیتوں کو حتی الامکان وسعت بخش سکیں۔اس درمیان شیعوں کو بھی موقع غنیمت ہاتھ آگیا تھا کہ آپؑ کے ساتھ برابر رابطے میں رہیں اور آپ کی رہنمائی و ارشادات سے استفادہ کریں۔نتیجتاً امام علی رضاؑ نے اپنی ذاتی صلاحیتوں اور صفات کی بنیاد پر موقع کو غنیمت جانا اور اس راہ کو سر کرنے میں کامیاب ہوگئے جس پر چل کر آپؑ حکومت اسلامی کے مختلف میدانوں میں اپنے اثر و رسوخ کو مستحکم و مضبوط کر سکتے تھے۔یہاں تک کہ ایک دن جب مامون ولایت عہدی کے سلسلے میں گفتگو کر رہا تھا، امامؑ نے فرمایا:”...اس سے ہرگز میرے لئے کسی نعمت کا اضافہ نہیں ہوا ہے ۔میں جس وقت مدینے میں تھا اس وقت بھی مشرق و مغرب میں میرا ہی دستخط چلتا تھا۔اس وقت بھی میں اپنی سواری پر سوار ہوکر آرام و اطمینان سے مدینے کے کوچوں میں آیا جایا کرتا تھا اور یہ میرے لئے ہر چیز سے زیادہ مطلوب تھا...“ ۶۸

امام علی رضاؑ کی تعریف وتوصیف میں مامون نے عباسیوں کے لئے اس طرح لکھا تھا:

”...لیکن یہ کہ میں تم لوگوں سے علی بن موسیؑ کے لئے بیعت چاہتا ہوں،ایسا میں نے ان کے اندر اس کی صلاحیت دیکھنے کے بعد اور اپنے انتخاب سے کیا ہے....اور تم نے یہ جو سوال کیا ہے کہ کیا مامون نے اس بیعت کے متعلق بحد کافی غور و خوض کر لیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہیں خبر ہونا چاہیے کہ میں اپنے تمام ہوش وحواس کو کھلا رکھتے ہوئے اور اپنی عقل و دانش کو بروئے کار لاتے ہوئے انکی بیعت کی ہے۔مجھے یہ بھی علم ہے کہ روئے زمین پر ان کے علاوہ دوسرا کوئی ان سے زیادہ افضلیت، پاکدامنی، زہد،پارسائی وتقوی میں ان سے برتر نہیں ہے،جس قدر وہ خاص و عام کو اپنی جانب مائل کر لیتے ہیں اتنا دوسرا کوئی نہیں کر پاتا اور نہ ہی خدا کی نظر میں ان سے زیادہ کوئی پسندیدہ ومحبوب ہے۔“

وہ روایات جو شوکت و وقار امامؑ پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک روایت یہ ہے جس میں ناقل اس طرح نقل کرتا ہے:

> ''میں امامؑ کیساتھ مامون کے پاس پہونچا۔نشست گاہ افراد سے کھچا کھچ پر تھی۔محمد بن جعفر کو طالبیان اور ہاشمیان کے ایک گروہ نے گھیر رکھا تھا۔ نیز فوجی کمانڈر بھی موجود تھے۔ہمارے ورود کے ساتھ ہی مامون اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔محمد بن جعفر اور بنی ہاشم کے تمام افراد بھی کھڑے ہو گئے۔امامؑ اور مامون ایک دوسرے کے کنارے بیٹھ گئے لیکن دوسرے اس وقت تک اپنی جگہوں پر اسی طرح کھڑے رہے جب تک امامؑ نے انہیں بیٹھنے کا اذن نہیں دے دیا۔اس درمیان کافی وقت گزر گیا تھا لیکن مامون اسی طرح امامؑ کے وجود مبارک میں غرق تھا...''۶۹ے

## (ا) علم و دانش

امامؑ علی رضاؑ کو علم آپ کے جد بزرگوار پیغمبر اکرمؐ سے ورثے میں ملا تھا۔امام رضاؑ علم و دانش کا ایسا عمیق سمندر تھے کہ تشنگان دانش و معرفت اس سے اپنی پیاس بجھاتے تھے اور اپنی مشکلات و مسائل کو امامؑ کے ذریعے حل کرواتے تھے۔امامؑ تمام علوم و دانش پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔مورخین و راویان اس موضوع پر متفق القول ہیں کہ امامؑ اپنے دور کے تمام افراد سے زیادہ عالم و فاضل اور فرائض دینیہ میں سب سے افضل تھے۔تاریخ میں آپؑ کے اور آپؑ کے علم کے متعلق بہت زیادہ لکھا اور کہا گیا ہے۔

تاریخ نے آپؑ کے ایسے متعدد علمی مناظرات اور فکری مباحث کا ذکر کیا ہے جن میں آپؑ دشمنان اسلام پر فائق ہو گئے تھے۔ساتھ ہی مختلف علوم سے متعلق آپؑ کے ایسے بہت سے ارشادات و بیانات کی وضاحت بھی کی ہے جن سے بزرگان علم اور دانشوروں نے کماحقہ استفادہ کیا ہے۔امام موسی کاظمؑ سے روایت ہے کہ آپؑ اپنے فرزندوں سے فرمایا کرتے تھے: یہ تمہارے بھائی علیؑ، عالم آل محمدؐ ہیں۔اپنے دینی مسائل کو انہیں سے معلوم کیا کرو اور وہ جو کچھ کہا کریں اس کو محفوظ کر لیا کرو۔''

حاکم نے اپنی کتاب، تاریخ نیشاپور میں تحریر کیا ہے: ابھی بیس برس سے کچھ ہی اوپر تھے کہ

مسجد النبیؐ میں فتوے دینے لگے تھے۔امام علی رضاؑ فرماتے تھے: میں روضہ ٔرسول اکرمؐ میں بیٹھتا تھا اور دانشور و علماء مدینے میں بہت زیادہ تھے۔اگر ان میں سے کوئی کسی مسئلے میں ضعف کا شکار ہو جاتا تھا تو تمام افراد میری جانب متوجہ ہو جاتے تھے،مسائل کو میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے اور میں ان کے سوالات کے جوابات دیا کرتا تھا۔۲۰

امامؑ اپنے دور کے عالم ترین فرد اور دنیائے اسلام کے اعلی ترین مرجع تھے۔دینی علماء اور فقہاء فرائض اسلامی سے متعلق اپنے سوالات کو امامؑ کے نزدیک بھیجا کرتے تھے۔ابراہیم بن عباس کہتے ہیں: جب بھی امام رضاؑ سے کسی مشکل مسئلے کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا،آپ بڑے اطمینان اور آسانی سے اسکا جواب دے دیا کرتے تھے۔میں نے ان سے بڑا کوئی عالم کبھی دیکھا ہی نہیں۔

سنن ابن ماجہ میں نقل ہوا ہے کہ آپؑ بنی ہاشم کے سردار تھے اور مامون آپ کا بیحد احترام کیا کرتا تھا۔مامون نے مختلف مواقع پر بارہا اعتراف کیا تھا کہ امام رضاؑ روئے زمین پر دانشمند ترین اور عالم ترین شخص ہیں۔

اسی طرح اس نے رجا بن ابی ضحاک سے جس کو اس نے امام رضاؑ کو مدینے سے خراسان لانے کیلئے روانہ کیا تھا،اس سے بھی کہا تھا کہ خدا کی قسم! میں نے ان سے بڑا پرہیزگار اور کوئی نہیں دیکھا۔اسی طرح کسی ایسے شخص کو بھی نہیں دیکھا کہ ان سے زیادہ ہمہ وقت یاد خدا میں غرق رہتا ہو اور ان سے زیادہ خدا ترس ہو۔

رجاء آگے کہتے ہیں کہ حضرتؑ جس شہر میں وارد ہوتے تھے وہاں کے باشندے جوق در جوق آپؑ کی خدمت میں حاضر ہونے لگتے تھے اور مسائل دینیہ کو امامؑ سے دریافت کرتے تھے، آنحضرتؑ بھی ان سب کے جوابات دیتے تھے اور اپنے اجداد حضرت علیؑ اور رسول اکرمؐ سے احادیث بیان فرماتے تھے۔

میں جب اس سفر سے واپس پلٹا تو مامون کے پاس پہونچا۔مامون نے طول راہ میں آنحضرتؑ کے احوال کے بارے میں دریافت کیا۔میں نے امامؑ کے روز و شب کا جو معمول دیکھا تھا وہ بیان کر دیا۔مامون نے کہا:" .... ہاں! اے ابی ضحاک کے بیٹے!وہ روئے زمین پر بہترین فرد اور علم وعبادت میں تمام افراد سے برتر ہیں۔"۲۱

مامون نے ۲۰۰ ہجری میں عباسیوں کو جمع کیا اور انکے درمیان کہا:" .... میں نے اولاد

عباس اور اولادعلی علیہ السلام کے درمیان بہت تلاش کیا لیکن مجھے اس امر کیلئے حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ سے زیادہ بافضیلت، پارسا، متدین، بہتر اور مناسب دوسرا کوئی نظر نہیں آیا۔"۲؎

مامون تمام اقسام کے سوالات کے ذریعے امامؑ کا امتحان لیتا رہتا تھا لیکن حضرتؑ اس کے تمام سوالات و مسائل کا حل پیش فرمادیتے تھے۔عبد اللہ بن جندب سے روایت ہے کہ حضرت رضاؑ نے اسکوتحریر فرمایا:"اما بعد! بیشک محمد مصطفیٰؐ تمام خلقت کے درمیان امین خدا تھے۔آپؐ کی وفات کے بعد ہم انکے وارث ہیں۔لہذا ہم روئے زمین پر ان کے وارث ہیں۔ہمارے پاس بلاؤں کا، مرنے کا،عربوں کی نسلوں کا اور تولد اسلام کا علم ہے(یعنی ہم عرب کی نجیب و فاسد نسلوں کو پہچانتے ہیں اور جائے تولد اسلام کہ دل انسان ہے،اس سے بھی آگاہ ہیں)۔ہم کسی انسان کو دیکھتے ہی پہچان جاتے ہیں کہ وہ مومن ہے یامنافق۔ہمارے شیعوں اور انکے اجداد کا اسماء ہمارے پاس محفوظ ہیں۔"۳؎

خدا نے ہم سے اور ان سے عہد لیا ہے کہ ہم ان کی رہبری کریں اور وہ ہماری پیروی۔ہم جہاں بھی جائیں وہ ہماری پیروی کریں (یعنی مقام عمل میں ہماری اتباع کریں)۔ہمارے اور انکے علاوہ کوئی مذہب اسلام پر نہیں ہے۔ہم نجیب و ہدایت یافتہ، پیغمبروں کے ورثا اور اوصیا کی اولاد ہیں۔ہمیں کتاب خدائے عزوجل میں خصوصیت سے یاد کیا گیا ہے۔ہم دوسرے تمام افراد کے مقابلے میں قرآن کریم سے نزدیک ہیں۔ہم دوسرے تمام افراد کے مقابلے میں پیغمبروں سے بھی نزدیک ہیں۔ خداوندعالم نے اپنے دین کو ہمارے لئے مقرر فرمایا ہے اور قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:"شرع لکم من الدّین ما وصّیٰ بہ نوحاً والّذی اوحیناالیک وماوصّینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ"۴؎ یعنی اس نے تمہارے لئے دین میں وہ راستہ مقرر کیا ہے جس کی نصیحت نوح کو کی ہے اور جس کی وحی پیغمبرؐ آپ کی طرف بھی کی ہے اور جس کی نصیحت ابراہیمؑ ،موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی کی ہے۔

امامؑ نے فرمایا:"جس چیز کیلئے خدا نے نوح کو حکم دیا تھا،ہمیں بھی حکم دیا ہے اور جس جس شئے کیلئے ابراہیمؑ ،موسیٰؑ وعیسیٰؑ پر وحی نازل کی تھی،ہمیں بھی وہ سب کچھ بتایا۔جو کچھ ہمیں جاننا چاہیے تھا وہ سکھایا اور ان پیغمبروںؑ کا علم بھی ہمیں سکھایا۔لہذا ہم وارث پیغمبرانؑ اولوالعزم ہیں۔اور وہ تاکید یہ تھی کہ دین کو قائم کرو، اس میں تفرقہ مت ڈالو اور آپس میں اتحاد قائم کرو۔جس امر کیلئے تم مشرکین کو دعوت دیتے ہو وہ ان کیلئے بہت سخت و دشوار ہے اور وہ ولایت علیؑ ہے۔بیشک جو بھی ان سے

متمسک ہوتا ہے خدا اس کی ہدایت فرماتا ہے۔

امام رضاؑ کے علم و کمال کی وسعتوں کا ایک دوسرا نمونہ یہ ہے کہ امامؑ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپؑ تمام زبانوں میں گفتگو کر سکتے تھے۔ابو اسماعیل سندھی سے نقل ہے: ''میں ہندوستان میں تھا تو میں نے سنا تھا کہ خدا نے ایک ایسی حجت کو نازل کیا ہے جو عرب زبان ہے۔لہٰذا میں اپنے وطن سے خارج ہوگیا تاکہ اس حجت کی زیارت کا شرف حاصل کر سکوں۔مجھے امام رضاؑ کی خدمت میں لے جایا گیا۔میں عربی زبان میں گفتگو نہیں کرسکتا تھا۔لہٰذا میں نے ہندی زبان میں امامؑ کو سلام کیا اور حضرتؑ نے بھی میری ہی زبان میں میرے سلام کا جواب دیا۔میں نے پھر اپنی ہی زبان میں آپؑ سے عرض کیا اور آپؑ نے ایک بار پھر میری زبان میں جواب دیا۔میں نے عرض کی کہ میں نے سنا تھا کہ زمین پر خدا کی ایک حجت ہے جسکی زبان عربی ہے۔میں اپنے شہر سے صرف آپکی زیارت کیلئے حاضر ہوا ہوں۔امامؑ نے مجھ سے فرمایا کہ ہاں! میں وہی ہوں تم جس کے لئے یہاں تک آئے ہو۔جو کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو مجھ سے معلوم کرلو۔میں نے امامؑ سے مختلف مسائل سے متعلق بہت سے سوالات کیے اور آپؑ نے بھی میری زبان میں میرے تمام سوالات کے جواب دئے۔'' ۵ے

یاسر خادم نے روایت کی ہے: ''روم اور اسلاوی کے دو باشندے امام رضاؑ کے یہاں مہمان تھے۔امامؑ ان سے اتنے قریب تشریف فرما تھے کہ جب وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے تو امامؑ متوجہ ہو گئے کہ وہ اپنی زبان رومی و اسلاوی میں کہہ رہے ہیں کہ جب ہم اپنے وطن میں تھے تو ہر سال لوگ ہمارے دیدار کو آتے تھے لیکن یہاں کوئی ہمارے دیدار کو آتا ہی نہیں۔لہٰذا امامؑ نے اگلی صبح ہی ایک فرد کو انکے دیدار کے لئے بھیج دیا۔'' ۶ے

ابا صلت ہروی کہتے ہیں: ''امام رضاؑ لوگوں سے انکی مادری زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔خدا کی قسم! فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے آپؑ تمام افراد سے افضل تھے۔ایک روز میں نے آنحضرتؑ سے عرض کی کہ یا ابن رسولؐ اللہ! ان زبانوں کے اتنے اختلافات کے باوجود ان زبانوں پر آپ کی دسترس سے بہت تعجب ہوتا ہے۔حضرتؑ نے فرمایا کہ اے ابا صلت! میں خداوند عالم کی جانب سے اسکی خلقت پر حجت ہوں اور حق تعالی اپنی حجت کو اقوام و ملل کی زبانوں سے آشنائی کے بعد ان کے درمیان بھیجتا ہے۔کیا تم نے امیر المومنین علیؑ کا یہ قول نہیں سنا ہے کہ جس میں آپؑ نے فرمایا تھا: ''ہمیں فصل خطاب عطا کیا گیا ہے۔'' وہ فصل خطاب مختلف زبانوں سے آشنائی ہی تو

ہے۔۷۷

شیخ محمد بن الحسن نے امامؑ کی اس صفت کے بارے میں شعر کہا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:''تمام زبانوں سے متعلق انکا علم واضح ترین معجزہ اور دلیل ہے۔''۷۸

مامون نے بنی ہاشم کو اپنے جواب میں کہا تھا:''تم نے یہ جو کہا ہے کہ مامون نے ابی الحسن الرضاؑ کی بیعت کرکے مذہب تشیع اختیار کرلیا ہے،تو اسکا جواب یہ ہے کہ مامون نے یہ بیعت نہایت غور وخوض کے بعد کی ہے۔مجھے علم ہے کہ روئے زمین پر ایسا کوئی بھی فرد نہیں ہے جو ان سے افضل،ان سے زیادہ متقی،پرہیزگار،وزاہد ہو،دنیا سے جس کی بے رغبتی ان سے زیادہ ہو،نیز ان سے زیادہ پاکیزہ اور خاص و عام کے درمیان ان سے زیادہ محبوب ہو،ساتھ ہی اوامر و نواہی الٰہی میں ان سے زیادہ سخت تر ہو۔''۷۹

ابا صلت ہروی سے نقل ہوا ہے:''مامون نے ایک بار مختلف ادیان کے دانشوروں اور اسلامی فقہاء و متکلمین کو متعدد جلسات میں جمع کیا لیکن ہر دفعہ تمام افراد حضرتؑ کے علم وکمال کے سامنے مغلوب ہو گئے،سب نے آپؑ کی برتری و فضیلت کا اقرار کیا اور اپنی ناتوانی و کم علمی کا اعتراف کیا۔''۸۰

مناقب بن شہر آشوب میں نقل ہوا ہے:''لوگوں کے درمیان امام علی بن موسی الرضاؑ کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور سبھی آپؑ سے خوش وراضی تھے۔محمد بن عیسی یقطینی کہتے ہیں کہ میں نے ایسے اٹھارہ ہزار مسئلوں کو جمع کیا ہے جنکے بارے میں امام رضاؑ سے سوال کیے گئے تھے اور آپؑ نے جواب دیئے تھے۔بہت سے مصنّفین و مولفین از جملہ ابو بکر خطیب نے اپنی تاریخ میں،ثعلبی نے اپنی تفسیر میں،سمعانی نے اپنے رسالے میں اور ابن معتز نے اپنی کتاب میں آپؑ سے احادیث نقل کی ہیں۔۸۱

امام رضاؑ نہایت حاضر الذہن تھے،آپ کی فصاحت و بلاغت کمال کی تھی،قوت استدلال عروج پر تھی اور انداز گفتگو نہایت متین تھا۔فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ الفاظ آپؑ کی انگلیوں پر ناچتے تھے۔مختلف ادیان و مذاہب کے رؤساء،دانشوروں اور زندیقوں سے ہونے والے آپؑ کے مناظرے اور مباحثات کہ جن میں آپؑ ان افراد کو روشن دلائل اور قاطع براہین کے ساتھ محکوم و مغلوب فرمادیتے تھے،آپؑ کی حاضر الذہنی اور فصاحت وبلاغت پر کھلی دلیل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ

مامون جب علما، دانشمندوں اور مختلف ادیان کے رؤسا کو اپنے دربار میں دعوت دیتا تھا اور ان سے کہتا تھا کہ بے دریغ جو سوال بھی کرنا چاہو کرلو تو مناظرے کے بعد موجود دانشمندوں پر ایک گہرا سکوت طاری ہو جاتا تھا اور تمام افراد امامؑ کی گفتگو کی تائید کرتے تھے نیز آپؑ کی برتری علم کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی کم علمی کا اقرار بھی کرتے تھے۔

## (۲) اخلاق امامؑ

امام رضاؑ اخلاق حسنہ کا اعلی ترین نمونہ تھے لہٰذا خاص وعام سبھی آپؑ کی جانب کھنچے چلے آتے تھے۔اسی طرح انسانی فضائل میں بھی آپؑ یکتائے روزگار تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ آپؑ تجلی روح نبوت اور مصداق رسالت کے وارثان اسرار میں شمار کیے جاتے تھے۔

دوسروں کے ساتھ ملاقات ونشست و برخاست کے دوران آپ کے وجود مبارک سے حقیقی اسلام متجلی ہوتا تھا اور وہ بھی ان حالات میں جب جلال وشکوہ حکومت وقت اس دین مقدس کی ایک دوسری ہی تصویر پیش کرتا تھا۔اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ امامؑ ہر انسان کی انسانی منزلت کے قائل تھے لہٰذا اسی نظریہ کے پیش نظر لوگوں کے ساتھ پیش آتے تھے۔

ابراہیم بن عباس صولی سے منقول ہے: ''میں نے امام علی رضاؑ کو کسی کے ساتھ کبھی بھی سخت لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا،کبھی کسی کی بات ختم ہونے سے پہلے قطع کلام نہیں کیا اور کبھی کسی کی اس حاجت کو رد نہیں کیا جس کو آپؑ پورا فرما سکتے تھے،کبھی کسی کے مقابل اپنے پاؤں دراز نہیں کرتے تھے،مہمان کے سامنے ٹیک نہیں لگاتے تھے،کبھی بھی غلاموں اور خدمت گذاروں کو برا۔بھلا نہیں کہتے تھے،کبھی بھی قہقہہ نہیں لگاتے تھے بلکہ آپ کا تبسم ہی آپ کی ہنسی تھی،کبھی کسی نے آپ کو تھوکتے ہوئے نہیں دیکھا،جب بھی آپؑ کے ساتھ دوسرے افراد نہیں ہوتے تھے اور دسترخوان لگایا جاتا تھا تو آپؑ اپنے سب غلاموں یہاں تک کہ دربان تک کو دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھا لیا کرتے تھے،پوشیدہ طور پر بے تحاشا صدقہ دیا کرتے تھے اور دوسروں کی امداد و کمک کیا کرتے تھے۔''

اتنا بیان کرنے کے بعد آگے کہتے ہیں: ''اگر کوئی دعویٰ کرے کہ امام رضاؑ سے بھی افضل کسی کو دیکھا ہے تو اس کی بات پر یقین نہ کرنا۔''[۸۲]

یہی سب نہیں بلکہ امامؑ تو اپنے غلاموں اور خدمت گذاروں کے ساتھ بھی کبھی غیر انسانی سلوک نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ ان کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ چھوٹی۔چھوٹی باتوں

میں بھی ان کی انسانی کرامت کا دھیان رکھتے تھے۔ امامؑ کبھی بھی کسی ایسی بات کو قبول نہیں فرماتے تھے جو کرامت انسانی سے میل نہ کھاتی ہو۔اسی طرح دوسروں کے ساتھ نشست و برخاست کے دوران کبھی بھی تکلف پسند نہیں کرتے تھے اور نہایت سادگی کے ساتھ پیش آتے تھے۔

یاسر خادم بھی بیان کرتے ہیں:''امامؑ کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی فرصت ملتی تھی تو چھوٹے۔ بڑے سبھی نوکر۔ چاکروں کو جمع کر لیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ گفتگو کیا کرتے تھے،ان کیساتھ بے تکلف ہو جاتے تھے اور انہیں خود سے مانوس کر لیا کرتے تھے۔کھانا نوش کرتے وقت امامؑ کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب آپؑ کیلئے دسترخوان بچھایا جاتا تھا تو سبھی کو یہاں تک کہ اصطبل والوں تک کو دسترخوان پر بلا لیا کرتے تھے اور انکے ساتھ غذا تناول فرماتے تھے۔''۸۳

ابن شہر آشوب اپنی کتاب ''مناقب'' میں لکھتے ہیں:''ایک بار امام رضاؑ حمام تشریف لے گئے۔ایک شخص جو امامؑ کو نہیں پہچانتا تھا،اس نے حضرتؑ سے کمر ملنے کو کہا۔ امامؑ اس کی کمر ملنے لگے۔جیسے ہی لوگوں نے اسے حضرتؑ کے بارے میں بتایا وہ پریشان ہوگیا اور عذرخواہی کرنے لگا لیکن امامؑ اپنا کام کرتے رہے اور اس سے ناراض نہیں ہوئے۔'' ۸۴

جب ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ امامؑ اپنے تمام غلاموں اور خادموں یہاں تک کہ دربان اور اصطبل والوں کو بھی دسترخوان پر اپنے پاس بٹھاتے تھے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؑ اپنے اس کردار سے اپنی امت کو درس انسانیت واخلاق حسنہ دینا چاہتے تھے اور شرف و کرامت انسانی کی بنیادوں کو مضبوط کرنا چاہتے تھے نیز ایک دینی برادر کو دوسرے دینی برادر کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے، اس دینی تفکر کو عملی طور پر مجسم کرنا چاہتے تھے۔

اسلام میں حقوق اجتماعی کے رو سے قانون مساوات و برابری کو امت میں اسی لئے برقرار کیا گیا ہے تاکہ کرامت انسانی کو فروغ دیا جا سکے اور امت کو طبقاتی زندگی کی قید و بند سے رہائی دی جا سکے۔جیسا کہ خداوند متعال نے فرمایا ہے:''۔۔۔انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم''(۸۵) یعنی بیشک تم میں خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

ابراہیم بن عباس صولی سے منقول ہے:''ایک بار میں نے امام علی رضاؑ کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ میں اپنی قسم کیلئے ایک غلام کو آزاد کرتا ہوں۔میں ایسی کوئی قسم کھاتا ہی نہیں ہوں مگر یہ کہ ایک غلام کو آزاد کروں اور اپنے تمام سرمائے کو راہ خدا میں انفاق کردوں۔میں رسول خداؐ سے اپنی

قرابت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کوئی گمان کرے کہ میں اس سے بہتر ہوں،اپنے سیاہ پوست غلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا،تو وہ غلط ہے بلکہ میرے اس سے افضل ہونے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے تقویٰ۔''۸۶؎

امامؑ اخلاق اسلامی کو اس طرح ہمارے لئے پیش کرتے ہیں اور اس روش کا انتخاب فرماتے ہیں جس سے شرف وکرامت انسانی محفوظ ہو جائے اور طبقاتی نظام کی بنیادیں ہل جائیں۔

یاسر خادم سے منقول ہے:''حضرت ابوالحسن الرضاؑ نے ہم سے فرمایا تھا کہ اگر کھانا کھانے میں مشغول ہو اور مجھے اپنے پاس کھڑا دیکھو تو اس وقت تک اپنی جگہ سے مت اٹھنا جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاؤ۔اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ امامؑ ہمیں حاضر ہونے کا حکم دیتے تھے اور کھانا کھانے کی وجہ سے امامؑ سے کہدیا جاتا تھا کہ کھانے میں مشغول ہیں تو فرمایا کرتے تھے کہ ٹھیک ہے،پہلے کھانے سے فارغ ہونے دو!''۸۷؎

یاسر خادم نے بیان کیا ہے:''جب بھی ہم میں سے کوئی کھانا کھانے میں مشغول ہوتا تھا تو اس وقت تک اس سے کسی کام کیلئے نہیں کہا جاتا تھا جب تک وہ شکم سیر نہ ہو جائے۔''۸۸؎

یہ حضرت امام علی رضاؑ کے اعلی اخلاق اور بزرگ منشی کے صرف چند نمونے تھے۔یہ وہ میراث تھی جو آپکو آپؑ کے جد پیغمبر اکرمؐ سے ملی تھی۔محمد بن عبداللہ قمی بیان کرتے ہیں:''ایک بار میں امام رضاؑ کی خدمت میں موجود تھا اور مجھے نہایت شدت سے پیاس محسوس ہو رہی تھی لیکن اس مجلس میں مجھے کسی سے پانی طلب کرنا نامناسب لگ رہا تھا۔حضرتؑ نے پانی منگایا تھوڑا سا پیا اور مجھے دے دیا نیز فرمایا کہ لو!یہ ٹھنڈا پانی پی لو اور میں نے لیکر پی لیا۔''۸۹؎

ابراہیم قمی سے منقول ہے:''یاسر نے مجھ سے نقل کیا تھا کہ راستے میں ابھی ہمارے اور طوس کے درمیان سات منزلوں کا فاصلہ تھا،امامؑ بیمار ہوگئے۔طوس تک پہونچتے۔پہونچتے امامؑ کی بیماری نے شدت اختیار کرلی۔ہم نے کچھ روز طوس میں قیام کیا۔مامون روزانہ دو بار امامؑ کی عیادت کو آتا تھا۔آخری دن امامؑ بہت کمزور ہو گئے تھے اور اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے،نماز ظہر کے بعد مجھ سے فرمایا کہ اے یاسر!کیا ان لوگوں نے کچھ کھا،پی بھی لیا ہے؟میں نے عرض کی کہ آقا!آپکی تو یہ حالت ہے،پھر کیسے کچھ کھا سکتے ہیں!اتنا سنتے ہی حضرتؑ نے اپنی پشت سیدھی کی اور فرمایا:کھانا لے کر آؤ۔آپؑ نے اپنے تمام کارکنوں کو دسترخوان پر جمع کیا اور سب سے جدا،جدا انکا احوال معلوم

کیا۔مردوں اورعورتوں،سب کے کھانا کھانے کے بعدامامؑ کے اوپرضعف کا مزید حملہ ہو گیا،آپؑ بیہوش ہو گئے اور لوگوں کے رونے کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔‘‘

امامؑ اپنی شدید بیماری کے عالم میں بھی دوسروں سے لحظہ بھر کیلئے غافل نہیں تھے نیز آپؑ کو قطعی پسند نہیں تھا کہ آپؑ کے اہلبیت اور کارکنان روزمرّہ زندگی کے امور سے ہاتھ کھینچ لیں۔

حوالے:


۱۔ارشاد،۲ ؍۵۹۱، اصول کافی، ۲ ؍۴۰۲

۲۔تاریخ گزیدہ؍ ۲۰۵

۳۔اعلام الوری باعلام الہدی؍ ۳۰۲، عیون الاخبار، ۱؍۱۶

۴۔مروج الذہب، ۲ ؍۴۶۲

۵۔اصول کافی، ۲ ؍۴۱۲، محمد بن سنان نے نقل کیا ہے کہ امامؑ ۴۹ سال کی عمر میں ۲۰۲ ؍ہجری میں شہید ہوئے تھے۔

۶۔ارشاد، ۲ ؍۵۹۱، اصول کافی، ۲ ؍۴۰۲، مروج الذہب، ۲ ؍۴۶۲

۷۔عیون اخبارالرضا، ۱ ؍۱۷

۸۔ایضاً، ۲ ؍۴۰۶

۹۔منتہی الآمال؍۱۰۶۶

۱۰۔تاریخ گزیدہ؍ ۲۰۵

۱۱۔نگاہی برزندگی چہاردہ معصوم؍۳۲۶

۱۲۔سنی الملوک الارض، مص؍۱۶۹۔۱۷۲، تطبیق سنوات

۱۳۔ام ولد:اس کنیز کو کہتے ہیں جس کے بطن سے اس کے مالک کی اولاد پیدا ہو۔

۱۴۔تذکرۃ الخواص؍۳۶۱

۱۵۔الصراط السوی؍۱۶۹

۱۶۔عیون اخبارالرضا، ۱ ؍۱۵، کشف الغمہ ، ۳ ؍۱۰۲

۱۷۔اصول کافی، ۲ ؍۴۰۲

۱۸۔عیون اخبار الرضا، ۱ ؍۱۴

۱۹۔ایضاًص ۱۵

۲۰۔معجم البلدان، ۵/۱۰۶
۲۱۔عیون اخبار الرضا،۱/۱۵
۲۲۔ایضاً/ص۱۸
۲۳۔ایضاً/۱۶،اصول کافی، ۲/۴۰۳
۲۴۔ایضاً/ص۴۱۳
۲۵۔مروج الذہب، ۲/۴۴۲
۲۶۔رضا یعنی پسندیدہ،مورد پسند،مورد رضایت
۲۷۔عیون اخبار الرضا،۱/۱۳
۲۸۔ایضاً،۲/۱۴۷
۲۹۔احمد بن محمد ابی نصر بزنطی ایک بہت بزرگ مرتبہ راوی،مشہور محدث اور نہایت معتبر وموثق شخصیت ہیں جن کا شمار امام موسی کاظمؑ ،امام رضاؑ اور امام جوادؑ کے اصحاب میں ہوتا ہے۔قبلاً مذہب واقفیان کے پیرو تھے لیکن امام رضاؑ کے ان معجزات کو دیکھنے کے بعد جو حضرت کی امامت پر دلالت کرتے تھے،اپنے مذہب منحرفہ سے ہاتھ کھینچ لیا اور امامت امام رضاؑ و ائمہؑ مابقی کے معتقد ہو گئے۔اپنے زمانے کے تمام ائمہؑ معصومین کے درمیان وہ عنایت خاص کے مستحق قرار پائے اور بہت اہم مقام پایا۔(معجم رجال الحدیث، ۲/۲۳۵)
۳۰۔عیون اخبار الرضا ،۱/۱۳۔۱۴
۳۱۔ایضاً،ص ۱۴
۳۲۔تذکرۃ الخواص/۳۴۰
۳۳۔تاریخ الائمہ/۲۱
۳۴۔مجمل التواریخ والقصص/۴۵۷
۳۵۔منتہی الآمال،/۳۵۲
۳۶۔ارشاد،۲/ ۲۱۴،مرآۃ العقول ،۶/ ۳۷،مناقب آل ابی طالب،۲/۳۶۷، دلائل الامامہ/ ۱۸۴
۳۷۔اصول کافی، ۲/۱۰۴
۳۸۔اثبات الہدات،۶/ ۱۵۴، بحار الانوار،۴۹/۲۲۱
۳۹۔ارشاد، ۲/۲۵۷
۴۰۔عیون اخبار الرضا،۱/ ۱۸
۴۱۔ایضاً

۴۲۔قرآن مجید، سورہ بقرہ / ۳۰
۴۳۔اصول کافی، ۲ / ۸۹
۴۴۔ایضاً
۴۵۔عیون اخبار الرضا، ۱ / ۲۱
۴۶۔ایضاً
۴۷۔ارشاد / ۵۹۱
۴۸۔اصول کافی، ۲ / ۸۹
۴۹۔ارشاد / ۵۹۲، عیون اخبار الرضا، ۱ / ۱۸، اصول کافی، ۱ / ۸۸
۵۰۔ارشاد / ۵۹۲، عیون اخبار الرضا، ۱ / ۲۳
۵۱۔ارشاد / ۵۹۲
۵۲۔ایضاً، اصول کافی / ۸۹
۵۳۔ارشاد / ۵۹۲، عیون اخبار الرضا، ۱ / ۱۸، اصول کافی، ۲ / ۹۱۔۹۶
۵۴۔ارشاد / ۵۹۵، عیون اخبار الرضا، ۱ / ۲۳۔۲۴
۵۵۔عیون اخبار الرضا، ۱ / ۲۳، مزید تفصیلات کیلئے بحار الانوار کی جلد ۴۹ میں موجود روایات کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔
۵۶۔ام احمد، امام موسیٰ کاظمؑ کی ایک بہت عالم، فاضل، ثقہ اور محترم زوجہ تھیں۔حضرتؑ بھی ان سے خصوصی التفات رکھتے تھے۔ام احمد راویۂ حدیث اور وصی امام موسیٰ کاظمؑ بھی تھیں۔
۵۷۔عیون اخبار الرضا، ۱ / ۲۴۔۲۵، اصول کافی، ۲ / ص ۹۶۔۹۹
۵۸۔اصول کافی، ۲ / ص ۹۹۔۱۰۲
۵۹۔الغیبہ / ۲۲۴۔۲۲۵
۶۰۔اصول کافی، ۲ / ۵۵۷
۶۱۔رجال نجاشی / ۲۱۲
۶۲۔ایضاً / ۲۲۸
۶۳۔ایضاً / ۳۱۱
۶۴۔ایضاً / ۲۲۸۔۲۲۹
۶۵۔ایضاً / ۱۹۴

۶۶۔ ایضاً / ۴۸۳ و ۵۰۶
۶۷۔ ایضاً / ۱۳۹
۶۸۔ عیون اخبار الرضا، ۱ / ۱۶۷
۶۹۔ ایضاً / ۱۵۶
۷۰۔ کشف الغمہ، ۳ / ۱۰۷
۷۱۔ بحار الانوار، ۴۹ / ۹۵
۷۲۔ مروج الذہب ۳/ ۴۴۱، الکامل فی التاریخ، ۵ / ۱۸۳ تجارب الامم، ۶ / ۴۳۶
۷۳۔ اصول کافی، ۱ / ۳۲۴۔ ۳۲۵
۷۴۔ سورہ شوریٰ / ۱۳
۷۵۔ بحار الانوار، ۱۲ / ۱۵
۷۶۔ مناقب آل ابی طالب، ۴ / ۳۳۴
۷۷۔ عیون اخبار الرضا، ۲ / ۴۷۵
۷۸۔ نزہتہ الجلیس، ۲ / ۱۰۷
۷۹۔ بحار الانوار، ۴۹ / ۲۱۱
۸۰۔ ایضاً / ۱۰۰
۸۱۔ مناقب آل ابی طالب، ۴ / ۳۰۰
۸۲۔ ایضاً / ۳۶۰۔ ۳۶۱
۸۳۔ عیون اخبار الرضا، ۲ / ۳۹۹
۸۴۔ مناقب آل ابی طالب، ۴ / ۳۶۲
۸۵۔ سورہ حجرات / ۱۳
۸۶۔ عیون اخبار الرضا، ۲ / ۲۳۷
۸۷۔ بحار الانوار، ۴۹ / ۱۰۲
۸۸۔ فروع کافی، ۶ / ۲۹۸
۸۹۔ عیون اخبار الرضا، ۲ / ۴۵۴